اسلامی ریاست
جواز کی تلاش

شاہرام اکبرزادے • عبداللہ سعید
ترجمہ: محمد ارشد رازی

مشعل

فہرست

باب نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
.1	اسلامی اور سیاست	
.2	سرکاری علماء اور جدید قومی ریاست کی مذہبی جواز خیزی	
.3	سعودی عرب 11 ستمبر کے بعد مذہب اور سیاست	
.4	اسلامی جمہوریہ ایران میں اصلاح کی سیاست	
.5	پاکستان اور حقیقی، اسلام کے لیے جدوجہد	
.6	ازبکستان کا اسلامی قضیہ	
.7	''فلاحی ریاست'' کی ناکامی، اسلام کی نئی اٹھان اور بنگلہ دیش میں سیاسی جواز خیزی	
.8	ملائیشیا میں اسلام اور سیاسی جواز خیزی	
.9	منقسم اکثریت	
.10	ریاستی جواز	

MashalBooks.com

تعارف

"Islam and Political Legitimacy" میں مسلم دنیا کو درپیش ایسے مسائل کا جائزہ لیا گیا ہے جن سے وہ آج دو چار ہے۔ یعنی سیاسی قوت کو اسلامیانے کا چیلنج۔ اس کتاب میں مغرب جنوب وسطی اور جنوب ایشیا کے مسلم معاشروں کا تقابلی تجزیہ کرتے ہوئے ان کی سیاسی قیادت کو درپیش چیلنجوں کو سامنے لایا گیا ہے۔ اس کتاب کا مرکزی تصویر یہ ہے کہ پوری مسلم دنیا میں اقتدار کے جواز کے لیے اسلام پر انحصار بڑھ رہا ہے اور وہ ریاستیں بھی اس امر سے مستثنیٰ نہیں جن کے تعلقات اسلام کے ساتھ کشیدہ رہے ہیں۔ اقتدار کے لیے اسلام پر انحصار نے اسے ایک معاشرتی وثقافتی عامل سے اٹھا کر ایک سیاسی قوت بنادیا ہے۔

"Islam and Political Legitimacy" کے جغرافیائی پھیلاؤ کے سبب قاری کو سیاسی اسلام کی تحسین کا موقعہ ملتا ہے۔ کتاب میں شامل مصنفین نے بنگلہ دیش، انڈونیشیا، ایران، ملائیشیا، پاکستان، سعودی عرب اور ازبکستان میں اسلام اور سیاسی قوت کے درمیان متشکل ہوتے تعلقات کا جائزہ لیا ہے۔ سیاسی اسلام اور مسلم دنیا میں شدت پسندی کی ٹھان کے طالب علم اور محققین کے لیے یہ کتاب خاص دلچسپی کا سبب ہوگی۔ معاصر مسلم دنیا کی سیاست پر موجود بھرپور لٹریچر میں اس کتاب کے اضافے کو خوش آمدید کہا جائے گا۔

MashalBooks.com

مصنفین

شاہرام اکبرزادہ

آسٹریلیا کی موناش یونیورسٹی کے ''سکول آف پولیٹیکل اینڈ سوشل انکوائری'' میں سینیئر لیکچرر ہے۔ اسلام اور گلوبلائزیشن اور وسطی ایشیا میں سیاسی اسلام اس کے خاص موضوع ہیں۔ ان دنوں وہ ازبکستان میں جمہوری عمل پر لکھ رہا ہے۔ ابھی حال ہی میں اس نے ''مسلم کمیونٹیز ان آسٹریلیا'' نامی ایک کتاب عبداللہ سعید کے ساتھ مل کر مدون کی ہے۔ وہ "Historical Dictionary Tajikistan" کا کمال الدین عبدالیف کے ساتھ شریک مصنف ہے۔ برطانیہ کے ادارے ٹیلر اینڈ فرانسس سے شائع ہونے والا رسالہ "Global Change, Peace and Security" نامی رسالے کا مدیر بھی ہے۔

عثمان بکر

اس نے فلاڈیلفیا میں واقع "Temple University" سے اسلام میں ڈاکٹریٹ حاصل کی اور اب جارج ٹاؤن یونیورسٹی کے سکول آف فارن سروس کا وزیٹنگ پروفیسر اور ملائیشیا اسلام چیئر پر فائز پروفیسر ہے۔ وہ ملایا یونیورسٹی کا فلسفۂ سائنس کا پروفیسر اور وائس چانسلر بھی رہا۔ اس نے کلاسیکی اور معاصر اسلام میں فکر اور تہذیب کے مختلف پہلوؤں پر ایک درجن کتابیں اور سو سے زیادہ مضامین لکھے۔ اس کی کچھ کتابوں کا عربی، فارسی، ترکی، اردو، انڈونیشیئن، چینی اور ہسپانوی سمیت مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوچکا ہے۔ اس کی تصانیف میں سے "Classification of Knowledge in Islam"، "Islam and Civilization Dialogue" اور "System in Malay-Indonesian World" شامل ہیں۔

MashalBooks.com

فریدہ فرحی

اس نے 1980ء میں کلوریڈو یونیورسٹی سے ماسٹرز حاصل کی۔ 1986ء میں اسے سیاسیات پڑھاتی رہی ہے۔ اس نے تہران یونیورسٹی اور شہید بہشتی یونیورسٹی میں بھی پڑھایا ہے۔ 1993ء سے 1998ء تک یہ تہران میں واقع پولیٹیکل اینڈ انٹرنیشنل سٹڈیز سے وابستہ رہی۔ اب وہ ہونولولو میں مقیم ہے اور آزادانہ تحقیق کر رہی ہے۔ اس کی تصنیفات میں "Status and Urban Based Revolutions: Iran and Nicaragua" زیادہ معروف ہے۔ انقلابوں کے تجزیے اور ایرانی سیاست اور خارجہ پالیسی کے حوالے سے اس کے مضامین "Comparative Political Studies"، "Theories and Societies"، "General of Developing Socieites"، "Iranian Journal of International Affairs" اور "International Journal of Politics, Culture and Socities" میں چھپتے رہے ہیں۔

گریگ فیلے

یہ مصنف آسٹریلین نیشنل یونیورسٹی کے شعبۂ ایشین سٹڈیز اور ریسرچ سکول آف پیسفک اینڈ ایشین سٹڈیز کے مشترکہ منصوبے کے تحت انڈونیشی سیاست کی لیکچرر رہے۔ اس نے ڈاکٹریٹ کے لیے انڈونیشیا کی سب سے بڑی اسلامی تنظیم ''نہضتہ العلما، ٹریڈیشنل اسلام اینڈ موڈرنٹی ان انڈونیشیا'' نامی کتاب مرتب کی۔ علاوہ ازیں اس نے انڈونیشیا کی اسلامی سیاست، دہشت گردی اور جمہوریت سازی جیسے موضوعات پر بھی مضامین لکھے۔ انڈونیشیا کی یونیورسٹیوں مین نواحیائی طریقوں پر اس نے کافی مبسوط کام کیا۔

لاربی صادقی

یہ مصنف ایکسٹر یونیورسٹی، انگلینڈ کے شعبۂ سیاسیات میں مشرقِ وسطیٰ میں جمہوریت اور انسانی حقوق کے متعلق پڑھاتا ہے۔ جمہوریت اور جمہوریت سازی کا اسلامی معاشرت سے تعلق اس کا خاص موضوع ہے۔ اس کے مقالے ''پولیٹیکل سٹڈیز''، ''انٹرنیشنل جرنل آف مڈل ایسٹ سٹڈیز''، "Arab Studies Quarterly" اور "Orient" میں چھپتے رہے ہیں۔

MashalBooks.com

عبداللہ سعید

یہ مصنف ایشیائی زبانوں اور معاشروں کے میلبورن انسٹی ٹیوٹ میں عربی اور اسلامیات کے شعبہ کا سربراہ ہے۔ اس نے سعودی عرب میں عربی اور اسلامک سٹڈیز میں گریجویشن کی۔ میلبورن یونیورسٹی نے اسلام پر تحقیق کے اعتراف میں اسے ڈاکٹریٹ دی۔ "Islamic Banking and Interest" اور "Islam in Australia" اس کی تازہ ترین مثالیں ہیں۔

ثمینہ یاسمین

یہ مصنفہ ویسٹرن آسٹریلیا یونیورسٹی کے شعبۂ سیاسیات میں بین الاقوامی سیاست پڑھاتی ہے۔ اس نے پاکستان کے ساتھ امریکہ کے فوجی تعلقات پر بھی اہم کام کیا ہے۔ یہ مصنفہ آسٹریلین پارلیمنٹ کے لیے دفاع کی تحقیق کے ذمہ دار ادارے کے لیے بھی کام کرتی ہے۔ مصنفہ 1966ء سے 1969ء تک پاکستان کی وزارت میں تعلیم میں یونیسکو کی معاونت سے چلنے والے ایک منصوبے میں سینئر ریسرچ سکالر تھی۔ اسے جنوبی ایشیا کی سیاسی و تزویری پیش رفت اور عالمی سیاست میں اسلام کے کردار پر خصوصی مہارت کا حامل سمجھا جاتا ہے۔

MashalBooks.com

باب اول

اسلام اور ریاست

(شاہرام اکبرزادہ عبداللہ سعید)

امریکہ کے قلب پر القاعدہ کے 11 ستمبر کے حملوں کے بعد اسلامی انتہا پسندی بین الاقوامی منظرنامے پر نمایاں ہوئی۔ اس کے نتیجے میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں، سلامتی کے ذمہ دار اداروں اور عامتہ الناس کی رائے میں اسلامی انتہا پسندی کو سلامتی اور خارجہ پالیسی کے ایجنڈے میں نمایاں حیثیت ملی۔ امریکی تزویری طرزفکر میں آنے والی اس ظاہری پالیسی سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی عسکریت سے نمٹنے کو ثانوی کی بجائے سرفہرست کام سمجھا جانے لگا ہے۔ تاہم بہت سی مسلم ریاستوں کیلئے یہ خطرہ کسی اعتبار سے نیا نہیں۔ انہیں پچھلی کئی دہائیوں سے بڑھتی ہوئی اسلامی حزب اختلاف کا سامنا ہے۔ اسلامی عسکریت کے نتیجے میں1979ء میں ایران کی حکومت بدلی، 1981ء میں مصری صدر انورالسادات قتل ہوئے، الجیریا میں سیاسی تشدد اور قتل و غارت کی لہر اٹھی، 1996ء میں طالبان افغانستان میں برسراقتدار آئے۔ کشمیریوں کی اسلامی تحریک اور گوریلا جنگ ابھی تک جاری ہے جس نے پاکستان کی داخلی سیاست کو متاثر کیا اور ہندوستان کو اس کا چیلنج درپیش ہے۔ اسی طرح آچے میں بھی علیحدگی پسندوں پر دباؤ محسوس کیا جارہا ہے اور انڈونیشیا میں بھی فرقہ ورانہ فسادات ہورہے ہیں۔

اسی لئے مسلم ریاستوں کو اسلامی عسکریت کے خطرے کی سیاسی قوت پر حیرت نہ ہوئی۔ یہ اور بات ہے کہ 11 ستمبر کا حملہ ان کے لئے بھی حیران کن حد تک بے نظیر تھا۔ ان ملکوں نے انقلاب پسندی کی اس اٹھتی لہر کے طمانچے کھائے ہیں اور اس شورش کا سامنا کیا ہے۔ یہ ممالک اسلامی انقلابی جذبے کا بنیادی ہدف رہے ہیں۔ اسی چیلنج اور بدلے ہوئے سیاسی حالات نے ریاستی رہنماؤں کو مجبور کردیا کہ وہ اپنے امیج کو ازسرنو پرکھیں اور اپنے اقتدار کی

علامتوں کا جائزہ لیں۔ اسلام کے محرک اور جانے پہچانے پیغام کو تسلیم کرتے ہوئے اسے ریاستوں کے (مضمر اور ظاہر) حوالے کے فریم میں باضابطہ طور پر شامل کیا گیا تاکہ سیاسی قیادت کے جواز کو درپیش چیلنج کا سامنا کیا جاسکے۔ اس چیلنج اور ردعمل کے تحرک نے کئی مسلم معاشروں میں سیاست کو متلاطم اور بعض اوقات متشدد بنائے رکھا۔ اس تلاطم کی حدود کا پہلے سے تعین مشکل تھا اور نہ ہی اسے کچھ خاص اداروں تک محدود رکھا جاسکتا تھا۔ سیاست کے کچھ پہلو غیررسمی ہوتے ہیں اور یہ بعض علامات کے ساتھ مل کر سیاسی بالادست طبقے کو جواز دیتے ہیں۔ سیاست کی یہ خاصیت مذکور بالا طبقے سے چھپی نہیں۔ سوائے سعودی عرب اور ایران کے جہاں ادارہ جاتی اسلامیت ایک مسلمہ کے طور پر موجود ہے، دیگر مسلم ریاستوں کی قیادت نے اسلامی علامت کو قابو میں رکھنے کیلئے باقاعدہ کوشش کی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ان کی خواہش رہی ہے کہ اس کے اثرات قابو سے باہر نہ ہوں اور ادارہ جاتی سیاست کی حدود میں رہیں۔ یہی وہ میکانیت ہے جس پر اس کتاب کے مصنفین نے توجہ دی ہے۔

اسلام کو رہنما اصول، حتیٰ کہ محض خاکہ، مانتے ہوئے حکومتی تشکیلات کیلئے کام کرنا یا کرتے نظر آنے کی خواہش کرنا اسلامیت کہی جاسکتی ہے۔ اسے ہی سیاسی اسلام سمجھا جاسکتا ہے۔ سیکولر طرز ہائے حکومت کو درپیش سیاسی اسلام کا چیلنج اور غیرمذہبی حکومت کیلئے جوازخیزی اپنی اصل میں ایک نیا اور جدید مظہر ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے علمبردار اسے اسلامی طرزفکر میں ایک طویل روایت کا تسلسل قرار دیتے ہیں۔ اہمیت کم کرنے کیلئے اس چیلنج کو بالعموم بنیاد پرستی کہہ دیا جاتا ہے۔ اس چیلنج کے وابستگان اپنی نظریاتی جڑیں ایک حدیث میں تلاش کرتے ہیں۔ اس چیلنج کی بنیاد اس مفروضے پر ہے کہ اسلام اور سیاست کو جدا نہیں کیا جاسکتا۔ یہ لوگ اسلامی دور کے ابتدائی دور کا حوالہ دیتے ہیں جب مدینہ میں پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ نے بطور حکمران اور روحانی رہنما بیک وقت کام کیا۔ بعدازاں چار خلفائے راشدین کے مذہبی و سیاسی کردار بھی باہم مدغم تھے۔ بعدازاں اس مفروضے کو ایک منصفانہ اور اسلامی حکومت کے سیاسی فلسفے میں شامل کردیا جاتا ہے جو سیاسی فعالیت کیلئے نظری ڈھانچہ فراہم کرتا ہے۔ اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ سیاسی کردار فقط اس وقت منصفانہ اور جائز ہے جب یہ شریعت کے مطابق چلے اور اسلام کے مقصد کو بجالائے۔ وجہ یہ ہے کہ دنیاوی حکومت کو بجائے خود اور قانون الٰہی سے آزاد اپنے اقتدار کا ماخذ نہیں سمجھا جاتا۔ شریعت سے آزادانہ حکومت کی

ہر کوشش اسی وجہ سے ناجائز ہوگی۔

اسلامی فعالیت کے نظریاتی جواز کیلئے این کے اس لیمبٹن (Ann K.S. Lambton) کو دو احادیث ملی ہیں۔

پہلی یہ کہ : ''گناہ میں اطاعت (کوئی فرض) نہیں'' اور دوسری یہ کہ ''مخلوق کی اطاعت اس کے خالق کے خلاف نہ کرو(15)''۔

اسلام کی پہلی صدی میں اہل تشیع اور خوارجیوں کی بغاوت کا الٰہیاتی جواز انہی دو حدیثوں پر تھا لیکن جلد ہی وہ بدل گئے۔ اسلام کی یہ مبنی برفعالیت تعبیر کی جگہ زیادہ نتائجیت پسند اور مفاہمت پسند شکل نے لے لی۔ مسلم فقہا دنیاوی حکمرانوں کے ساتھ مفاہمت اختیار کرنے لگے اور انہوں نے اس قرآنی آیت کو اپنے عمل کے جواز میں پیش کیا۔ ''اطاعت کرو خدا کی، اطاعت کرو رسول کی اور ان کی جنہیں (تمہارے مابین) تمہارے مابین اولی الامر کیا گیا۔'' (2)

اس طرز فکر اور حقیقت کے ادراک پر مبنی طرز کار کا اصل مقصد سماجی انتشار سے بچنا تھا۔ لیکن اسے جواز بنا کر فقہا کی ایک بہت بڑی تعداد نے اصول قانون میں قرار دیا کہ خواہ وہ گناہگار ہوں لیکن اقتدار میں موجود شخص کا اتباع لازم ہو جاتا ہے۔ مسلم قانون کے ماہرین میں سے الماوردی خاصا اہم ہے۔ اس نے مسلمانوں اور، عامتہ الناس کے نزدیک اسلام سے مشکوک وفاداری کے حامل، سلجوق سلاطین کے درمیان موجود تعلق پر وسط گیارہویں صدی میں فیصلہ دیا۔

''ان کی سنو اور ان کی اطاعت کرو۔ ہر اس معاملے میں جو سچ کیلئے تکلیف دہ نہیں۔ اگر وہ اچھے ہیں تو تمہارے لئے فائدہ مند ہے اور ان کے لئے بھی۔ اور اگر وہ برا کرتے ہیں تو تمہارے لئے بہتر ہے اور ان کے لئے نقصان دہ''۔(3)

اسلامی سیاست میں الماوردی کے یہ نظریات بڑے متاثر کن ثابت ہوئے۔ نصف صدی کے بعد الغزالی نے الماوردی کے خیال کی وضاحت کرتے ہوئے قرار دیا کہ ''ناگزیر ہو جائے تو ممنوع جائز ہو جاتا ہے۔'' غزالی نے 'ناقابل حصول' کامل اسلام کے ماڈل کی تلاش کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ یوں مسلمان ممکنات کے جہان سے نکل جاتے ہیں۔ غزالی سمجھتے تھے کہ سیاست کی حدود موجود ہیں اور وہ انہیں ممکن کے فن کی صورت دیتے تھے۔ انہیں غیر حقیقی منازل اور اہداف کیلئے ہونے والی کوشش کے خطرات کا اندازہ تھا۔ اپنے تئیں غیر اسلامی حکومتوں کو الٹ دینے کیلئے کوشاں عسکریت پسندوں کی سرگرمیوں کے حسب حال اپنے ایک تبصرے میں غزالی

نے کہا:

''ترجیح کسے دی جائے؟ انتشار اور اقتدار کے تسلسل کے خاتمے سے پیدا ہونے والے سماجی زندگی کے مسدود ہوجانے کو یا موجود اقتدار کو تسلیم کر لینے کو خواہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ ان متبادلات کی صورت میں فقیہہ کو موخرالذکر صورت اختیار کرتے ہی بنے گی(4)۔'' امام ابن تیمیہ نے بڑھتی ہوئی منگول افواج کے سامنے بھی اسی روایت کو تقویت دی تھی:

ظاہری سی بات ہے کہ عامتہ الناس (کے معاملات) حکمرانوں کے بغیر اچھی حالت میں نہیں رہ سکتے اور اگر غیر عادل بادشاہوں میں سے بھی کوئی حاکم بنتا ہے تو بغیر حاکم رہنے سے بہتر ہے۔ مقولہ ہے کہ ''غیر عادل حکمران کے ساٹھ برس بغیر حاکم کی ایک رات سے بہتر ہے''۔ حضرت علیؓ (چوتھے خلیفہ) سے منسوب کیا جاتا ہے ''اور لوگوں کے پاس حکومت (امارہ) قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں خواہ وہ متقی ہو یا گناہگار''۔ لوگوں نے سوال کیا: ''متقی تو سمجھ میں آتا ہے لیکن گناہگار کو کیوں روا رکھا جائے؟'' فرمایا: ''اس لیئے کہ اس کی بدولت شاہراہیں محفوظ رہتی ہیں، سزائیں قانون کے مطابق ہوتی ہیں۔ دشمن کے خلاف جہاد کیا جاتا ہے اور مال غنیمت اکٹھا ہوتا ہے۔(5)''

یہ فیصلہ بیسویں صدی تک اسلامی سیاست کا مرکز رہا حتیٰ کہ انقلابی تعبیر نمایاں ہونے لگی۔ ناقدین نے اسے سکوت پسندی کا نام دیا اور اس سے ایک نہایت اہم نتیجہ اخذا کیا ہے کہ اگر حکمران واضح اور ظاہر طور پر اسلام کے خلاف سرگرم نہیں ہوتا تو مسلمانوں کیلیئے نہ صرف اطاعت جائز ہے بلکہ اس کا تقاضا بھی کیا جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اگر اسلام پر عمل کی اجازت ہے تو پھر اس کی حکومت کے جواز کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ خواہ وہ شریعت کی رو سے متقی مسلمان نہیں۔ بیسویں صدی میں مسلم دنیا کے سیاسی معاملات میں سیکولرازم کے دخیل ہونے تک یہ اندازِ فکر عملاً رائج رہا۔

دنیاوی اور دینی قیادت کی عملاً علیحدگی عباسی عہد کے اوائل میں شروع ہوئی اور پھر باقاعدہ شکل اختیار کر گئی۔ یہ علیحدگی دین اور دولت یعنی مذہب اور حکومت کی ثنویت کی عکاس تھی۔ لیکن یہ علیحدگی اپنی اصل میں کوئی ایسی مطلق بھی نہ تھی۔ اس کے برعکس حکمرانوں اور علما کے مابین باہم انحصار کا رشتہ قائم رہا۔ دونوں ایک دوسرے کو جسمانی اور مالی تحفظ اور حکمرانی کا جواز فراہم کرتے رہے۔ مذہبی رہنماؤں کے پاس الوہی قانون کی تعبیر کا جواز موجود تھا۔ انہوں

MashalBooks.com